

اسلام اور اشتراکیت

از جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب - کان پور،

اصل موضوع کے متعلق کچھ بکھنے سے قبل اس غلط فہمی کو رفع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس مضمون کا مقصود نظام سرمایہ داری کی حمایت کرنا نہیں ہے۔ نظام سرمایہ داری جس طرح اشتراکی کی آنکھ میں خاک کی طرح کھٹکتا ہے اسی طرح مسلمان بھی اس کو انتہائی نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے، اس کو انسانیت کے لیے ایک لعنت سمجھتا ہے اور اس کو مٹا دینے کی خواہش اشتراکی سے ہزار چند اپنے دل میں رکھتا ہے۔

یہاں تک تو مسلمان اور اشتراکی دونوں متحد ہیں۔ لیکن اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظام سرمایہ داری کو مٹا کر دنیا میں کس قسم کا اجتماعی نظام رائج کیا جائے اور کن اصول اور بنیادوں پر دنیا کی تمدنی عمارت کی تعمیر کی جائے؟ یہاں پہنچ کر مسلمان اور اشتراکی کے درمیان اختلاف دکھایا جاتا ہے۔ مسلمان اس سوال کے جواب میں اسلام کے نظریہ و نظام کو پیش کرتا ہے اور اشتراکی اشتراکیت کو اس مسئلہ کا حل قرار دیتا ہے۔

اسلام ایک ضابطہ حیات اور قانون زندگی کا نام ہے۔ یہ ضابطہ اس قدر

ہمہ گیر ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اس کے حدود سے باہر نہیں ہو سکتا۔ مسلمان اسی شخص کا نام ہے جو اس ضابطہ حیات کو مکمل طور پر قبول کر لے اس لیے کہ یہ ضابطہ قابل تقسیم نہیں ہے کہ اس کے بعض حصوں کو چھوڑ کر بعض دوسرے حصوں کو قبول کر لیا جائے اور پھر

بھی آدمی مسلمان ہو یا مسلمان رہے۔ زندگی کی کسی شاخ کے متعلق اگر مسلمان اسلامی اصول و ضوابط کو نظر انداز کرے غیر اسلامی اصول و ضوابط کو قبول کرتا ہے تو بظاہر وہ ابتداءً اسی شاخ کی حد تک محدود اسلام سے باہر ہوتا ہے، مگر چونکہ زندگی کے مختلف شعبے ایک دوسرے کے ساتھ طبعاً اس طرح مربوط ہیں کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہے اور ایک کا دوسرے سے متاثر ہونا ضروری ہے اس لیے کسی ایک شعبہ حیات میں غیر اسلامی اصول و افکار کو اختیار کرنے کا اثر اسی شعبہ تک محدود نہیں رہ سکتا بلکہ پوری زندگی پھیل جاتا ہے اور دوسرے شعبوں کو بھی رفتہ رفتہ غیر اسلامی رنگ میں رنگ کر چھوڑتا ہے۔ اس طرح ایک دن وہ جزوی مرتد کلی طور پر دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ کیفیت تنہا اسلام ہی کی نہیں ہے بلکہ منضبط نظام کی خاصیت یہی ہے۔ اور یہی بنیاد اس اختلاف کی ہے جس کی وجہ سے مسلمان اور اشتراکی ساتھ مل کر نہیں چل سکتے۔ مسلمان کو نہ تو یہ اختیار حاصل ہے کہ کسی مصلحت کی بنا پر اسلامی نظام میں ترمیم کر کے کسی دوسرے نظام کی کچھ چیزیں اس میں داخل کئے۔ اور نہ وہ مسلمان رہ سکتا ہے اگر کسی غیر اسلامی ضابطہ کو کسی حالت میں بھی قبول کر لیتا ہے نہ وہ ضابطہ اقتصادی ہو یا سیاسی یا زندگی کے کسی اور شعبہ کے متعلق۔ اس نے ایسا کیا تو قرآن مجید اس سے سوال کرے گا کہ **أَفَتَوْمَسُونَ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ يَكْتُمُونَ** اور اس سوال کا کوئی جواب اس کے پاس نہ ہوگا۔

ان باتوں سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ مسلمان کا قومی تعصب اس انکار کا باعث ہے، یا محض مذہبی ضد کی وجہ سے وہ اپنے اس رویہ پر اڑتا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اسلامی نظام ایک مدلل، محقول، منطقی نظام ہے، اس کی پشت پر اشتراکیت اور دوسرے تمام نظامات سے بہت زیادہ زبردستی عقلی، تجربی اور نفسیاتی دلائل ہیں، اس میں دوسرے تمام نظامات سے زیادہ توازن پایا جاتا ہے، وہ انسانی زندگی کے تمام مسائل کو نہایت تشفی بخشین طریقہ سے حل کرتا ہے، اور جو شخص اس نظام

کو سمجھ کر اس پر ایمان لایا ہو اس سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس سے فزونی نظاموں میں سے کسی کو قبول کرے گا۔ اشتراکیت جن کمزوریوں کی حامل ہے اسلام ان سے قطعاً پاک ہے اور اشتراکیت سے جو فائدے مطلوب ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ بہتر طور پر اسلامی نظام سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ پھر کون نادان ہوگا جو کمال کو چھوڑ کر ناقص کو لے گا؟

ان تمہیدی مسطور سے اشتراکیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صحیح پوزیشن کی وضاحت مقصود ہے تاکہ یہ غلط فہمی رفع ہو جائے کہ اشتراکی کے مقابلہ میں مسلمان کی بھی وہی پوزیشن ہے جو روس کے مسیحی علماء کی وہاں کے اشتراکیوں کے مقابلہ میں تھی۔ اس غلط فہمی کی وجہ اسلام کے نظام نگر عمل سے لاعلمی ہے اور اس کو ترویج کرنے والی چیز اسلام کے بعض جاہل پیروؤں کی وہ غلط روش ہے جو انہوں نے اشتراکیت کے مقابلہ میں اختیار کی، یعنی انہوں نے اشتراکیت کے خلاف رائج الوقت غیر اسلامی اور غیر انسانی نظام اجتماعی کی حمایت شروع کر دی اور حدیث و قرآن سے اس کے لیے منہ جواز حاصل کرنے کی سعی لاحاصل کی گویا کہ وہ عین اسلام ہے۔ حالانکہ یہ بات بالکل خلاف واقعہ ہے اور حق یہ ہے کہ اسلام جس قدر اشتراکیت کا دشمن ہے اسی قدر وہ اس نظام نہ سرمایہ داری کا بھی دشمن ہے وہ اگر نسین اور مارکس کے اصولوں کا رواج نہیں چاہتا تو وہ تعلقہ داری اجاگر داری اور سماجی وغیر انسانیت کش اور نظام نہ چیزوں کا بھی روادار نہیں ہے۔ مسلمان اشتراکیت کی مخالفت اس لیے نہیں چاہتا ہے کہ نظام سرمایہ داری محفوظ رہے بلکہ اس لیے چاہتا ہے کہ ان دونوں کے بجائے ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جو ان دونوں سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

یہ اسلامی نظام اجتماعی سے لاعلمی ہی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے بہت سے افراد جن میں قدامت سے بعض علماء بھی شامل ہو گئے ہیں، اشتراکیت کو بیک کہہ رہے ہیں اور ہندوستان میں اس کے رواج کے خواہشمند ہیں۔ مزید یہ ہے کہ یہ حضرات مسلمانوں کو اشتراکیت کی جانب دعوت دیتے وقت

اسلام اور اشتراکیت کو بالکل مترادف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بے راہروی اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے ذیل میں ہم ان اختلافات کا تذکرہ کرتے ہیں جو اسلامی معاشیات اور اشتراکیت کے درمیان پلٹے جلتے ہیں اور جن پر غائر نگاہ ڈالنے سے اسلامی اصول کی غنیمت بھی واضح ہو جاتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظریہ اور اشتراکیت دونوں مقصد کے لحاظ سے متفق ہیں۔ دونوں اس معاشی ظلم کو مٹا دینا چاہتے ہیں جو نظام برطانیہ میں پایا جاتا ہے اور دونوں کا مقصد یہ ہے کہ دولت کی غیر منصفانہ تقسیم کو منصفانہ تقسیم سے بدل کر دنیا کی اقتصادی سطح کو بقدر امکان مستوی بنا دیا جائے۔ مگر محض مقصد کی وحدت دو چیزوں کو ایک نہیں بنا سکتی۔ یہودیت و نصرانیت دونوں کا مقصد ایک ہے مگر دونوں کا فرق بھی نہیں ہے۔ بودھ مت اور ہندو دھرم دونوں نروان کو اپنا مقصد قرار دیتے ہیں مگر دونوں میں اس قدر فرق ہے کہ بودھ مت کو ہندو مذہب کے استھان میں جینا دشوار ہو گیا اور بالآخر اس کو جین میں پناہ لینا پڑی۔ قادیانیت کا راستہ اسلام سے الگ ہے لیکن ایک قادیانی بھی اپنے مذہب کا مقصد وہی بیان کرتا ہے جو اسلام کا ہے۔ لہذا محض اس بنا پر کہ معاشی اصلاح کے معاملہ میں اشتراکیت اور اسلام کا مقصد ایک ہے یہ کہنا کہ دونوں نظریے ایک ہیں سخت غلطی ہے۔ حیرت ہے کہ اسپران و ام اشتراکیت کی سب سے محکم دلیل یہی ہے۔ دونوں نظریوں میں اتحاد کے لیے وحدت مقصد کے علاوہ نقطہ نظر اور طریق حصول مقصد کا اتحاد بھی ضروری ہے۔ اور یہ اتحاد یہاں مفقود ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے دونوں میں بعد المشرقین ہے۔

اشتراکیت کے بنیادی اصول | اشتراکیت جس راستہ سے اپنے مقصد کو سمیٹنا چاہتی ہے اس کے بنیادی اصول یہ ہیں :-

- ۱، دولت کی شخصی ملکیت کا استیصال کر دیا جائے۔
- ۲، دولت اور وسائل دولت آفرینی پر تمام حقوق ممالکانہ جماعت کو حاصل ہوں۔

۳، دولت آفرینی اور تقسیم دولت کا پورا انتظام جماعت کے ہاتھ میں ہو، جس کی طرف سے حکومت اس وظیفہ کو انجام دے گی۔

تیسرا اصول اول الذکر دونوں اصولوں کا لازمی نتیجہ ہے۔

اسلام کے معاشی اصول | اس کے مقابلہ میں اسلامی نظریہ معاشی کے بنیادی اصول بھی تین ہیں۔

۱، دولت پرندہ قانون کی ملک۔

۲، دولت آفرینی تقسیم دولت، اور استعمال دولت پر قانون کا مکمل اقتدار۔

۳، محدود قانون کے اندر اشخاص کے لیے دولت کمانے رکھنے اور خرچ کرنے کی پوری آزادی۔

قانون کی ملک کا کیا مفہوم ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے نفس ملک کے مفہوم کو ذہن میں حاضر

کر لینا چاہیے جب ہم کسی شخص کو کسی شے کا مالک کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کو اس

شے میں ہر قسم کے تصرف کا حق حاصل ہے، نیز اس کو اسے اپنی ملک سے منتقل کر دینے کا حق بھی حاصل

ہے۔ یہ دونوں حق محدود ہیں یا غیر محدود، ملکیت کے عین مفہوم میں یہ بات شامل ہے کہ یہ دونوں اصلاً

غیر محدود حق ہیں۔ ان کے محدود ہونے کے معنی خود ملکیت کے محدود ہونے کے ہیں۔ اسی لیے خواہ سزاؤ

ہوں یا اشتراکی یا کوئی اور سب کے نزدیک مالک کے معنی یہ ہیں کہ اس کو اپنی ملک میں ہر قسم کے

تصرف کا اختیار ہو۔ اس پر کوئی ایسی پابندی نہ ہو جو اس کو کسی طرح کے تصرف اور کسی نوع کے انتقال

سے روک دے، اس میں شک نہیں کہ دنیا میں ہر جگہ ملکیت کے ان حقوق پر کچھ پابندیاں عائد ہیں لیکن

اس سے ہمارے اس بیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ وہ پابندیاں محدود مصالحوں کی بنا پر

ماندگی جاتی ہیں۔ بنا بریں اول تو ان میں کوئی استقلال نہیں ہوتا، دوسرے محدود مصالحوں سے تعلق

رکھنے کی وجہ سے ان کا اثر بھی محدود ہوتا ہے اور عالمگیر مصالح تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے ان کا وجود

مدم برابر ہے۔ بہر حال سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کے نزدیک "ملک" کا یہی مفہوم تسلیم کیا گیا

ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سرمایہ دار دنیا میں یہ حق افراد کو حاصل ہے اور اشتراکی دنیا میں یہ حق جماعت یا باایمانوں کو جماعتی حکومت کو حاصل ہے۔ بلکہ اب تو خود مرکز اشتراکیت یعنی روس میں یہ حق چھوٹے پیمانہ پر افراد کو بھی عطا کیا گیا ہے۔

اسلام نے "ملکیت" کا یہ حق فرد اور جماعت دونوں سے چھین کر قانون یعنی شریعت کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ اسلام کا قانون مسلمانوں کی جان، مال اور ان کی ہر چیز کا مالک ہے۔ پھر وہ اپنی یہ ملکیت چند مخصوص ضوابط کے ساتھ امانت کے طور پر ان کے سپرد کرتا ہے۔ اس امانت میں تصرف کرنے کے جتنے اور جیسے اختیارات اس نے فرد، جماعت اور جماعتی حکومت کو دیئے ہیں ان سے تجاوز کرنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ سب انہی ضوابط کے دائرے میں رہتے ہوئے دولت میں تصرف کر سکتے ہیں۔ ان سے باہر قدم نکال کر جو تصرف بھی وہ کریں گے ناجائز، غاصبانہ اور باغیانہ تصرف ہوگا۔ یہ ضوابط ناقابل تغیر ہیں، یعنی ان کو بدلنے کا حق نہ فرد، نہ فرد کسی مسلمان کو حاصل ہے نہ تمام مسلمانوں کو مل کر۔ مسلمانوں کی کسی حکومت کو۔ اس طرح اسلام میں فرد و جماعت دونوں کی پوزیشن بالکل وہی تھی ہے جو کسی فرم کے ایجنٹ کی جو مالکان فرم کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت مال کو صرف کر سکتا ہے لیکن ان ضوابط سے علیحدہ ہو کر اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

اسلام نے انسان کو خدا کا "ایجنٹ" ہونے کی حیثیت دی ہے۔ وہ اس کو خلیفۃ اللہ کا خطاب دیتا ہے۔ اس لیے اس کو دولت حاصل کرنے، دولت رکھنے اور دولت میں تصرف کرنے کے صرف وہی اختیارات حاصل ہیں جو اصل مالک یعنی حق تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ سے متعین کر دیئے ہیں۔ ان کے سوا وہ کسی قسم کے حقوق یا اختیارات نہیں رکھتا۔

۷ ترجمان القرآن۔ ناقدانہ انسان جب دنیا میں آ کر زمین پر پھیلے ہوئے بے شمار وسائل زندگی دیکھتا ہے تو خیال کرتا ہے کہ یہ ایک نیا عالم ہے جو میرے سامنے پھیلا ہوا ہے مجھے اس سے کچھ بچت نہیں کہ اس کو کس نے پھایا (باقی صفحہ ۳۷۷)

طریقوں کا اختلاف | دونوں نظریوں میں جو فرق و اختلاف ہے وہ مندرجہ بالا سطور پر نظر کرنے سے بالکل واضح ہو جاتا ہے اور اس کے مزید بیان کی حاجت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کے مناہج عمل میں بھی بہت بڑا اختلاف ہے جو آئندہ سطور سے واضح ہو جائے گا۔

اشتراکیت کے مناہج | اشتراکیت کے مندرجہ ذیل عملی قاعدے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں :-

- ۱) ہر ملک کے ہر فرد کے لیے کام اور بقدر محنت اس کی ضروریات زندگی مہیا کرنا حکومت کا فرض ہوگا
- ۲) کوئی شخص بلا تو متوسط حکومت اپنے لیے کام اور ضروریات زندگی حاصل نہیں کر سکتا۔
- ۳) کوئی شخص بغیر محنت کے اپنی ضروریات زندگی نہیں حاصل کر سکتا۔
- ۴) جسمانی محنت کرنے والے اور دماغی محنت کرنے والے بالکل مساوی سمجھے جائیں گے

دقیقہ ماشینی صفحہ ۳۷۶ ہے یا خود ہی کچھ گلیاں، بہر حال جب یہ سمجھا ہوا ہے اور مجھے اس پر ہاتھ مارنے کی آزادی حاصل ہے تو اب میں خود ہی یہ فیصلہ کروں گا کہ کس طرح ————— کس کس طرح اس پر ہاتھ ماروں۔ دنیا کے متعلق یہ نظریہ رکھنے والے لوگ اول اول اس قاعدے پر چلتے ہیں کہ جو جس کے ہاتھ ننگ جاتے وہ اسے لے اڑے اور جس طرح چاہے استعمال کرے۔ پھر ان میں جو جتنی پیرا شروع ہوتی ہے جو لوگ پہلے آکر خزان کے بیشتر حصے پر قبضہ کر چکے ہوتے ہیں ان کے مقابلہ میں بعد کے آنے والے، جو محروم رہ گئے ہیں جھگڑا اٹھاتے ہیں اور لڑتے ہیں کہ ان سے چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ دوسرے لوگ آتے ہیں اور اس جھگڑے کا حل پیش کرتے ہیں کہ سارا خزان سب کا ہے، ایسے انتظام سے اس پر ہاتھ مارو کہ سب کا ہاتھ کیساں پڑے۔ ان مختلف گروہوں کے طریقے خواہ کتنے ہی مختلف ہوں، مگر اس بنیاد میں یہ سب متفق ہیں کہ یہ دنیا ایک خزانِ عظیم ہے جو اتفاق سے ہمارے ہاتھ آ گیا ہے، کوئی اس کا مالک نہیں ہے جس سے پوچھنے کی ہمیں ضرورت ہو۔ اسلام اگر ان سے کہتا ہے کہ لے دو تو فوراً عریان بن گیا نہیں ہے، اس کا مالک جو ہے تم، اس پر ن ماننے طریقے سے ہاتھ مارنے کا حق نہیں رکھتے اور ن مالک ہی کو یہ کہنے کا حق ہے کہ اس خزان پر تمہارا حق کتنا ہے، کیا ہونا چاہیے پس وہاں سب مل کر اور ذمہ پرست اور جاگ راز شریک کے درمیان کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ بنیادی فرق صرف خدائے اس اور ماخذ شناس کے درمیان ہے۔

لے ترجمان القرآن - اشتراکیت کے اس قاعدے کی تاریخ کافی دلچسپ ہے۔ پہلے اس کی (باقی صفحہ ۳۷۷)

یہ کام اور ضروریات زندگی مہیا کرنے کی ذمہ دار ہے، مگر
(۲) ہر شخص اپنے لیے کام اور اپنی ضروریات زندگی بغیر توسط حکومت بھی مہیا کر سکتا ہے
یہی نہیں بلکہ وہ اس کا اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی کہ حکومت۔

(۳) ہر شخص کے لیے اپنی روزی محنت سے پیدا کرنا ضروری ہوگا۔

(۴) عام حالات میں دماغی کام کی قدر و قیمت جسمانی کام سے زائد سمجھی جائے گی۔
مگر غیر محدود نہ ہوگی بلکہ ایک مقررہ معیار و اصول کے مطابق ہوگی جس کا تذکرہ آئندہ
سطور میں ہوگا۔

(۵) دولت پیدا کرنے، جمع کرنے اور خرچ کرنے میں حکومت اور سپلائی دونوں کی حیثیت
ایک ایجنٹ کی سی ہوگی اور دونوں کو مندرجہ ذیل قوانین کے ماتحت ان امور کو انجام دینا پڑے گا۔
(الف) حصول دولت کے ذرائع صرف دو تسلیم کیے جائیں گے۔ (۱) زمین اور وہ مواد جو

لے ترجمان القرآن - ہمیں نہیں معلوم کہ اس بیان کا ماخذ کیا ہے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے
اسلامی حکومت ہر شخص کو کم سے کم ضروریات زندگی مہیا پہنچانے کی ذمہ داری تو ضرور دیتی ہے مگر کام
فراہم کرنے کی ذمہ داری نہیں دیتی۔ اس بات کی ذمہ داری لینے کے لیے تمام حرفوں اور پیشیوں پر پرکاری تسلط
(STATE CONTROL) ضروری ہے، اور اسلام حکومت کو اجتماعی زندگی پر اتنا تسلط دینے سے انکار
کرتا ہے۔ کیونکہ اس کے دوسرے معنی تمام باشندگان ریاست کی دستہ بندی (REGIMENTATION) کر لینے
کے ہیں جس کے بعد شخصی آزادی بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

لے ترجمان القرآن۔ اجڑیں مفر کرنا اسلامی حکومت کے حدود عمل سے خارج ہے۔ اس میں چیز کو عرف رواج اور باجوہ
مستاجر کے باہمی سمجھوتہ چھوڑ دیا ہے۔ البتہ خاص حالات میں اگر کسی اجیر یا اجڑوں کے کسی گروہ پر ظلم ہو رہا ہو تو اس
صورت میں حکومت مداخلت کرے گی اور انصاف کے ساتھ اجڑوں اور مزدوروں کے دوسرے حقوق مقرر کر دے گی۔
نیز اس بات کی بھی اسلام میں گنجائش ہے کہ حکومت ایسے حاکم مقرر کر دے جو اجیروں اور مستاجروں کے تنازعات
کا نصفیہ کرتے رہیں اور کسی کو کسی پر ظلم نہ کرنے دیں۔

زمین میں ہے، (۲) محنت محض سرمایہ اس کا ذریعہ نہیں بن سکے گا۔

(ب) اصول دولت کا ہر وہ طریقہ اختیار کرنا ممنوع سمجھا جائے گا جو اسلام کے بتائے ہوئے انفرادی یا اجتماعی نظام حیات کے کسی شعبہ میں تنزل کا سبب بن سکے، یا مفاد عام کے خلاف ہو اور تکلیف پریشانی کا سبب بن جائے، مثلاً سود، جوا، اشکاکرسی صورت میں جائز نہیں رکھے جاسکتے۔

(ج) حکومت اور سپیک میں سے کوئی بھی دولت میں کوئی ایسا تصرف کرنے، یا دولت کو گوش سے روک کر رکھنے کا حق نہیں رکھتا جس کا نتیجہ اجتماعی طور پر ذہنی، اخلاقی، عملی، اقتصادی یا اور کسی شعبہ حیات میں تنزل و نقصان کا سبب بن سکے یا مفاد عام کے خلاف ہو۔

(د) ہر فرد و جماعت کے لیے (جس میں حکومت بھی شامل ہے) دولت میں ایسے تصرفات کرنا لازم ہے جن کو اسلام نے اجتماعی فلاح کی خاطر ایجاباً فرض کیا ہے، مثلاً زکوٰۃ وغیرہ شرعی محاسل کا ادا کرنا سپیک کے لیے ضروری ہے اور ان کو وصول کر کے ان کے مصارف میں صرف کرنا حکومت پر واجب ہے (نوٹ) یہ امر کہ کون سے امور موجب فلاح ہیں اور کون سے نہیں، اس کا تعین اسلامی اصول کریں گے نہ کہ سپیک یا حکومت کی رائے۔

اختلافات | اسلام کے اقتصادی ضابطہ اور اشتراکیت کے درمیان یہ چند بڑے اور نمایاں اختلافات ہیں جن سے دونوں کا فرق باذنی تامل واضح ہو جاتا ہے۔ محض سطحی اختلافات نہیں بلکہ اساسی و اصولی ہیں قبیل نہیں، کثیر ہیں، صرف نظری ہی نہیں، عملی بھی ہیں۔ ان اختلافات پر نظر کرنے سے ہم کو اسلامی

۱۷ ترجمان القرآن - یہ کلیہ صحیح نہیں ہے! اسلام میں یہ بالکل جائز ہے کہ ایک شخص سرمایہ دے اور دوسرا شخص اس پر محنت کرے اور دونوں نفع و نقصان میں باہمی قرارداد کے مطابق شریک ہوں۔ البتہ سرمایہ کو دولت پیدا کرنے کا ایسا ذریعہ تسلیم کرنے سے اسلام انکار کرتا ہے کہ سرمایہ دار کو بہر حال اس کے سرمایہ کی مقدار کے لحاظ سے ایک مقرر شرح منافع ملتی رہے خواہ سرمایہ استعمال کرنے والے کو نفع ہو یا نقصان۔

اقتصادیات اور اشتراکیت کے درمیان ایک بہت بڑے اختلاف کا پتہ چلتا ہے جس کے موجود ہوتے ہوئے دونوں میں کسی موقع پر تسمد نہیں ہو سکتا۔ اینٹلاں دونوں نظریوں کی روح کا اختلاف ہے۔

اشتراکیت سر تا پا مادیت محض ہے۔ شروع سے لے کر آخر تک اس میں روحانیت و اخلاقیات کی جھلک بھی نظر آتی۔ وہ محض ایک اقتصادی نظریہ ہے لیکن ایسا اقتصادی نظریہ جو انسانی زندگی کے کل اجزاء کو اقتصادیات میں جذب کر دیتا ہے۔ اس کی ابتداء بھی پیٹ سے ہوتی ہے اور انتہا بھی پیٹ پر۔ غرض اس کی بنیاد محض جذبہ شکم پرستی اور خواہش تن پروری پر قائم ہے۔ بخلت

لے ترجمان القرآن۔ دراصل مغرب کی جدید تہذیب کلیدیۃً اس مفروضہ سے پیدا ہوئی ہے کہ انسان صرف ایک حیوان ہے۔ انسانیت کا کوئی تصور ان کے ذہن میں حیوانیت سے الگ اور اس سے بالاتر نہیں ہے۔ وہ انسانی فطرت کے انہی داعیات و مطالبات کو اصلی اور بنیادی تسلیم کرتے ہیں جن کا منشا و مبداء انسان کی حیوانیت ہے۔ رہے وہ پاک اور عالی مرتبہ اخلاقی و روحانی مطالبات جن کا اقتضار خاص انسانیت کرتی ہے تو ان میں سے بعض کو رو دیتے ہیں، بعض کو اوٹام و خرافات سمجھ کر مال دیتے ہیں، بعض کو محض گرمی سخن کے لیے نمائشی اہمیت دیتے ہیں، اور بعض کو اپنے حیوانی دستور زندگی میں داخل کرنے سے بھی تواس طرح کہ وہ حیوانیت کے تابع ہو کر پاک کے بجائے ناپاک ہو کر رہ جاتے ہیں مثلاً ذوق جمال (AESTHETIC TASTE) جس کا وہ بذریعہ حشر لورپ میں ہوا ہے کہ جانور بھی دیکھ کر شرمائیں

مارکس اور اس کے پیرو اسی تہذیب کے طعن سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے اس منافق زوروش کا خاتمہ کر دیا جو اخلاق و روحانیت کے بارے میں اہل مغرب نے عموماً اختیار کر رکھی تھی انہوں نے زندگی کے اس حیوانی تصور کو اس کے آخری منطقی نتائج تک پہنچا دیا اور ان تمام بے جا چیزوں کو آدم زاد کی زندگی کے دستور سے خارج کر دیا جو اس حیوانی تصور کے ساتھ ربط قبول نہیں کرتیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان جب حیوان ہے تو لامحالہ اس کی زندگی میں اہم ترین اور فیصلہ کن چیز معاش ہی ہونی چاہیے۔ جانور کا دماغ جو کچھ منوچتا ہے اور اس کے دل میں جو کچھ جذبات پیدا ہوتے ہیں ان سب پر آخر وعدے اور جسم کا یہی مطالبہ تو حکومت کرتا ہے کہ اپنے جسمانی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے غذا حاصل کی جائے اور پھر یہ کہ فوری وجود کو قائم رکھنے کے لیے صفت مقابل سے میل کیا جائے۔ بس یہی چیز اس دوپاؤں (باقی صفحہ ۳۸۲)

اس کے اسلام کا اقتصادی نظریہ مادیت و روحانیت کے صحیح ترین امتزاج سے عبارت ہے۔ اس کی نیا انسان کے ذہنی و اخلاقی ارتقاء پر رکھی گئی ہے۔ اور اس میں پیت کے ساتھ انسان کے قلب و دماغ کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے! اسلام کا اقتصادی نظریہ محض اقتصادی نہیں ہے بلکہ وہ ایک ایسا اخلاقی معیار بھی ہے جس سے انسان کی عملی زندگی خصوصاً اس کے معاشی مسائل کے حسن و قبح کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کی بنیاد کسی جذبہ پر قائم نہیں ہے بلکہ عقلِ خالص اور اخلاقیاتِ صحیحہ پر رکھی گئی

(لغویہ حاشیہ صفحہ ۳۸۶) والے جانور کی زندگی پر بھی حکمراں ہے۔ تہذیب، اخلاق، مذہب، علوم و افکار سب کے سب ایسی حکمراں کے تابع ہیں، اسی کی مرضی کے مطابق بنتے ہیں اور اسی کی مرضی سے بگڑتے اور بدلتے ہیں۔ پوری انسانی تاریخ ماکس کی نگاہ میں معاش کے محور پر گھومتی رہی ہے اور گھومتی رہے گی۔ جتنے مذہب پیدا ہوئے ان کو معاش کے سوال نے پیدا کیا۔ اخلاق کے جتنے اصول بنے سب کے سب معاشی بنیاد پر بنے۔ انسانی تہذیب اس کے سوا کچھ نہیں کہ معاشی حالات و ضروریات کی پیدا کردہ ایک چیز ہے۔ انسان کے دل اور دماغ کی اس کے سوا کوئی حیثیت نہیں کہ وہ جسم اور اس کے مطالبات کی خدمت کے لیے تہذیب پر مشتمل اور بہتر سے بہتر خدمت انجام دینے کی فکر میں رہیں۔ یہ ان لوگوں کے نزدیک انسانی زندگی کا خلاصہ ہے اور اسی وجہ سے ماکس اور اس کے پیروں نے تمام انسانی مسائل کو معاش اور صرف معاش کی بنیاد پر حل کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسلام کا راستہ پہلے ہی قدم پر ان سے جدا ہو جاتا ہے کیونکہ وہ انسان کو انسان سمجھتا ہے نہ کہ حیوان۔ بلاشبہ انسانیت کا قابِ حیوانی ہے اور اس حیوانی قاب کے تقاضیات (حفظ نفس و حفظ نوع) کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے، لیکن انسانیت کے اصلی مسائل اور انسانی فطرت کے داعیات و تقاضیات اس سے بلند نہیں اور اسلام کی نگاہ میں ایک صحیح نظام تمدن وہی ہو سکتا ہے جو نہ صرف ان دونوں پر نگاہ رکھے، بلکہ ہر ایک کو اس کے ترتیب کے مطابق اہمیت دے۔ اشتراکیت کے نزدیک انسان کی کل زندگی معاشی ہے اور زندگی کے باقی تمام پہلو معیشت کے تابع ہیں۔ اور اسلام کے نزدیک معیشت انسان کی زندگی کے لیے ہے اور جو انسان کی زندگی ایک بڑے مقصد کے لیے ہے، اور اس بنا پر معیشت کو اس بڑے مقصد کے تابع ہونا چاہیے۔ یہ ان دونوں کے درمیان بنیادی فرق ہے۔

ہے اس کا یہ امتیاز اس کو کسی مقام پر بھی اشتراکیت کے دوش بدوش نہیں چلنے دیتا۔ البتہ اگر غریزہ تو اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کی "روح" ایک ہی نظر آئے گی۔ دونوں نفس پرستی اور بہسیت کی پیداوار ہیں۔ فرق صرف مظاہر کا ہے۔ اسلام ان دونوں سے کہیں بتر ہے۔

اشتراکیت کے نقائص | ذیل میں ہم ان نقائص کو نمبر وار ذکر کرتے ہیں جو اشتراکیت کے لازم میں سے ہیں تاکہ اسلام کے اقتصادی نظام کی برتری و فوقیت پر بے طور پر واضح ہو جائے۔

(۱) اشتراکیت انسانی افراد میں اقتصادی مساوات قائم کرنا چاہتی ہے لیکن مقصد اشتراکیت سے نہ حاصل ہوتا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں اقتصادی نظام کے ساتھ کسی نہ کسی سیاسی نظام کا اختیار کرنا ضروری ہے اور سیاسی نظام کی عقلانیت دو صورتیں نکلتی ہیں، جمہوری اور شخصی۔ اب اگر اس کے ساتھ جمہوری طرز حکومت کو اختیار کیا جائے گا تو جو پارٹی برسر اقتدار ہوگی وہ جمہور کی کل دولت پر قابض ہوگی اور کمزور پارٹی اس میں اپنے اختیار سے کوئی تصرف نہ کر سکے گی۔ یہ صورت بعینہ وہی ہے جو سرمایہ دار ممالک میں سرمایہ داروں اور غریبوں کی ہے۔ اور اگر جمہوریت کو چھوڑ کر شخصی طرز حکومت اختیار کیا جائے گا تو شغاعت اور کجی بڑھ جاتی ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں فرد واحد کل دولت پر قابض ہو جائے گا جو سرمایہ داری کی بدترین شکل ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ دونوں صورتوں میں برترتاً پارٹی یا گٹھیٹر دولت کا صرف محض مفاد عام کے لیے کر سکتا ہے نہ کہ اپنی ذات کے لیے، اس لیے اس میں مالدارت و غربت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہونے پاتا۔ مگر یہ عذر ناقابل سماعت ہے کہ چونکہ مفاد عام کا تعین اور تصرف کی نوعیت مقرر کرنا برسر اقتدار جماعت یا فرد ہی کے اختیار میں ہے غرض سرمایہ دارانہ نظام کو اشتراکیت سے تبدیل کرنا "فرض المطر و قمر تحت المیزاب" (بارش سے بھیجاگ کر پرنالے کے نیچے پناہ لی) کا مصداق ہے۔

(۲) حکومت اور سپلک کے درمیان اتحاد کے بجائے افتراق و عدم تعاون کی اسپرٹ پیدا

ہو جاتی ہے جس سے دونوں کے درمیان ایک ایسی کش مکش برپا ہوتی ہے جس کا مشا دینا ناممکن ہے۔
(۳) اس کش مکش کو مٹانے کے لیے حکومت کو سخت گیری اور ظلم سے کام لینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ روس کے مشہور نخط کے واقعات اس کی مثال ہیں۔

(۴) سپیک کی فطری خواہشوں کو دبانے کے لیے طرز حکومت استبدادی اختیار کرنا پڑتا ہے۔ روس کی جمہوریت کا آمریت میں تبدیل ہو جانا اس کی واضح مثال ہے۔

(۵) سپیک کے کل معاملات کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے سپیک میں سے خود اعتمادی کا وصف مفقود ہو جاتا ہے۔ افراد میں اس کی صلاحیت نہیں باقی رہتی کہ وہ خود اپنی ذمہ داری پر اپنی زندگی کے معاملات انجام دے سکیں۔ اگر یہ چیز محض افراد تک محدود رہتی تو بھی غنیمت تھا۔ لیکن چونکہ افراد ہی جماعت بناتے ہیں اس لیے رفتہ رفتہ اس کا اثر پوری جماعت پر محیط ہو جاتا ہے اور چند نسلیں گزرنے کے بعد خود اعتمادی کے اشد ضروری وصف کا جماعت سے بھی مفقود ہو جانا یقینی ہے۔ آخر کار اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان افراد سے قائم کی ہوئی حکومت میں بھی یہ صلاحیت باقی نہ رہے گی کہ وہ کسی اہم کام

لے ترجمان القرآن۔ روس میں کوئی نیکیسری ایسی نہیں ہے جس پر پیشہ سخت فوجی پہرہ لگا ہوا نہ ہو حتیٰ کہ کارخانوں کے اندر بھی فوجی سپاہی نگین چڑھی ہوئی راغلیں بے سستے پھرتے ہیں۔ اس پہرہ داری کے لیے سابقہ آثار، مکان خانے تباہ کرنے کی سازشوں کو بلکہ بنایا گیا ہے حالانکہ دراصل اس کا مقصد دونوں طرف رو کر کھینچنا ہے تاکہ وہ حکومت کا مذکورہ منہ و نظام کے خلاف قزاقی کرنا اور کساد مکتھ مار سکیں۔ دراصل تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ اشتراکی حکومت ایک ایسے طریقہ کار کا نام ہے جو تمام چھوٹے چھوٹے سرمایہ داروں اور کارخانہ داروں کو کھاکر ایک بڑا سرمایہ دار اور کارخانہ دار بنتا ہے۔ حکومت بھی اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے، تمام وسائل معیشت بھی اس کے قبضہ میں ہوتے ہیں، اور تمام ملک کی دولت پر بھی اس کا قابو ہر ذرہ تسلط ہوتا ہے۔ نظام سرمایہ داری میں کم از کم اس کا تو موقع ہے کہ ایک سرمایہ دار فرد یا کمپنی کو چھوڑ کر دوسری دوسرے کے راستے پر چلا جائے، یا حکومت سے فریاد کرے، لیکن جہاں اشتراکیت کا دینا ظلم پر اتر آئے وہاں یہ سب ہاڑے بند ہیں وہاں تو ایک ہی کارخانہ دار ہے، وہی حاکم بھی ہے اور رزق کے سارے دروازوں پر بھی وہی قابض ہے۔ شیطان کے ترکش میں شاید یہ آخری تیراقتی رہ گیا تھا جو اس نے اب انسان پر چھوڑا ہے!

کو ذرا دلچسپ طور پر انجام دے سکے! اس کا لادری اثر زندگی کے کل شعبوں میں اتھری عمران و تمدن کی بربادی، اور انسانیت کی بربادی ہے۔

(۶) اقتصادیات پر حکومت کا قبضہ ہونے کی وجہ سے حکومت سیاست کو تاجرانہ لائسنز پر چلا پاتا ہے حالانکہ تجارت و سیاست انسانی زندگی کے دو بالکل مختلف شعبے ہیں جن ذہنی صلاحیتوں اور اخلاقی اوصاف کی حاجت اول الذکر میں ہے ان سے بالکل مختلف اور متضاد فکری و اخلاقی اوصاف کی ثانی الذکر میں ضرورت ہے۔ ایسی حکومت جو تجارتی بنیادوں پر قائم کی جائے کبھی سیاست فرماؤائی میں کسی مضبوط اصول اور مضبوط پالیسی پر قائم نہیں رہ سکتی اس کو مجبوراً بن وقت بنا پڑتا ہے۔ وہ اصول پرست کے بجائے زر پرست ہوتی ہے۔ وہ تجارتی و صنعتی مصالح کے لیے اصول کی بربادی کی کوئی پرواہ نہیں کر سکتی۔ اس کا کیرکڑ متضاد اصول سے مرکب ہونے کی وجہ سے مستقل اور پختہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے نتائج آج کا ظلم و جور اور پبلک کی ممانیت تنگ ہونے کے سوا اور کیا ہو سکتے ہیں؟

(۷) ایسے نظام میں شخصی آزادی منسوب ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے افراد کی ذاتی استعداد کا نشوونما رک جاتا ہے اور جماعت اس کے ثمرات سے محروم ہو جاتی ہے۔

(۸) قوموں کے عروج و زوال اور ان کے فنا و بقا میں اخلاق کو بنیادی حیثیت حاصل ہے لیکن اشتراکی نظام میں چونکہ کل نظام زندگی کا محور محض معاشیات کو بنا دیا جاتا ہے اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی کو صرف معاشی نقطہ نظر پر دھلا جاتا ہے اس لیے اخلاقیات کا زوال یقینی و لا بدی ہے۔ اخلاق کا زوال انسانیت کے فقدان کا ہم معنی ہے، اور اس کا لازمی اثر یہی ہے کہ انسانیت کا نشوونما ارتقاء ہے جس کے پیدا ہو جانے کے بعد انسانیت میں مادیت کے سوا اور کچھ باقی نہیں رہتا۔ تجربہ شاہد ہے کہ دنیا کی کوئی طاقتور سے طاقتور قوم بھی اس درجہ پر پہنچ کر فنا ہونے سے نہیں بچ سکتی۔ وہ اہم ترین صفات جو انسانیت کی جان ہیں، اور وہ تمام چیزیں جن سے انسانیت کا قوام ہے،

اس کی نگاہ میں بے قدر و قیمت ہو جاتی ہیں، اور قدر صرف ان چیزوں کی باقی رہ جاتی ہے جن کی کوئی معاشی قیمت ہو، یا جن کا کوئی مادی فائدہ ہو۔ کیا اس خالص حیوانیت کے ساختہ انسان جی سکتا ہے؟

(۹) دماغی محنت کی قدر و قیمت کو جسمانی محنت کی قیمت کے مساوی سمجھنا اور محض وقت کے لحاظ سے دونوں کو ان کی محنت کا معاوضہ دینا اصولاً اخلاص نصاب ہے۔

(الف) دماغی کام کی افادہ حیثیت جسمانی کام کی افادہ حیثیت سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک لائق انشمار پر دہرا اپنی انگلیوں سے جو کچھ کر سکتا ہے وہ دس ہزار مزدوروں کے ہاتھ مل کر بھی نہیں کر سکتے۔

(ب) تمام محققین کا اتفاق ہے کہ جسمانی محنت سے جسم کا جس قدر حصہ تحلیل ہوتا ہے اس سے دس گنا زیادہ دماغی محنت سے تحلیل ہو جاتا ہے، یعنی ایک گھنٹہ کی دماغی محنت اور دس گھنٹہ کی جسمانی محنت مساوی ہیں۔

(ج) اظہار قدیم و جدید دونوں کا اتفاق ہے (جس کا بجز بھی شخص کر سکتا ہے) کہ دماغی کام کرنے کی حالت میں جسم کا کل نظام عصبی اسی کام کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے جس سے جسم کے ہر دوسرے کام کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ آلات منظم اپنا کام پورے طور پر انجام نہیں دے سکتے، تعمیر جسم کا کام رکا رہتا ہے اور تحلیل کا کام جاری رہتا ہے بلکہ اس کی رفتار دس گنی نیز ہو جاتی ہے۔ چنانچہ تجربات بتاتے ہیں کہ امر امن کا شکار زیادہ تر دماغی کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ جسمانی محنت کرنے والے عموماً صحت و تندرستی کے لحاظ سے ان سے خائف ہوتے ہیں۔

خصوصاً ذی عقل، ذیابیطیس، ضعف اعصاب، قلت خون، وغیرہ مہلک امراض ۵۹ فی صدی دماغی محنت کرنے والوں کو ہوتے ہیں۔ ان حقائق کی موجودگی میں دماغی محنت اور جسمانی محنت

دونوں کو ایک ہی مرتبہ دینا قطعاً ظلم اور ناانصافی ہے۔

(ح) دنیا کے ۹۹ فی صدی آدمی جسمانی محنت کے برابر دماغی محنت نہیں کر سکتے۔ مگر چونکہ اشتراکیت کے اصول دونوں کو ایک ہی مرتبہ دیتے ہیں اس لیے ایسے نظام میں مجبوراً ان کو جسمانی کام کے مساوی دماغی کام انجام دینا پڑے گا جس کا نفسی نتیجہ صحت و تندرستی کی بربادی اور موت کو دعوت دینا ہے۔

علاوہ بریں یہ اصول انسان کی طلب ارتقا کو سرکوب کر دینے والا اور عالمی بہت لوگوں کی بہنوں کو لاپت کر دینے والا ہے۔

(۱۰) اشتراکیت چونکہ اپنی کوئی اسلامی بنیاد نہیں رکھتی، اور اس نظام کے تحت افراد میں کوئی اندرونی جذبہ اس کی اطاعت و پیروی کا فطرۃً پیدا نہیں ہوتا اس وجہ سے یہ نظام صرف جابرانہ قوت کے زور پر چل سکتا ہے۔ افراد ہمیشہ اس کے بند ٹوڑ کر نکلنے کے لیے کوشاں رہیں گے اور صرف اسی وقت تک اس کے مطیع رہیں گے جب تک ایک آہنی شکنجہ انہیں کسے کے لیے موجود رہے گا۔ اس شکنجہ کی گرفت ڈھیلی ہونے کے بعد خود اس نظام میں قیام و بقا کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اس لیے یہ نظام ہر وقت زوال آمادہ رہتا ہے اور جابرانہ قوت کی ادنیٰ کمزوری بھی اس کو فنا کے گھاٹ اتار سکتی ہے۔

مندرجہ بالا نقائص کے ماسوا بھی اشتراکیت بہت سے نقائص و معائب کی حامل ہے جن کو ہم بخوف طوالت نظر انداز کرتے ہیں۔

(باقی)